بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

﴿ الف ﴾

انآ ارسلنٰک شاھدا ومبشرا ونذیرا لا لتؤمنوا باللہ ورسولہٖ وتعزروہ وتوقروہ ط (پ۲۶۔سورۃ الفتح:۸۔۹)

ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا کر کے بھیجا تا کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو۔

اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اصل الاصول ہیں تو سوائے ذات باری تعالیٰ کے کوئی ایسا مستحق نہیں جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زائد تعظیم کا استحقاق رکھتا ہو۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ ان کی بعثت کی غرض ہی یہ ہو کہ ان کی تعظیم و توقیر کی جائے کہ لام کے تحت میں جہاں یہ بتلایا ہے کہ اس ذات کو اس لئے مبعوث کیا ہے کہ اللہ اور رسول پر ایمان لایا جائے وہاں یہ بھی بتلایا ہے کہ یہ بھی غرض ہے کہ ان کی تعظیم و توقیر کی جائے۔ سلمان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ کا ربّ فرماتا ہے کہ اگر میں نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تو آپ کو اپنا حبیب بنایا۔ میں نے کوئی چیز ایسی پیدا نہیں کی جو میرے نزدیک آپ سے بہتر ہو اور یقین جانئے کہ میں نے دنیا اور اس کے لوگوں کو اسی واسطے پیدا کیا کہ ان کو آپ کی بزرگی اور مرتبہ معلوم کراؤں جو آپ کا میرے نزدیک ہے اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔ (مواہب الدنیہ)

اور اسی ضمن میں صاحبِ روح البیان نے آپ کے علم پر کچھ روشنی ڈالی تھی کہ چونکہ آپ سب سے پہلے پیدا ہوئے اور آپ کے بعد تمام مخلوق پیدا کی گئی تو مخلوق میں سے ایسی کوئی شے باقی نہ رہی جو آپ کے علم میں نہ آئی ہو۔ یہ معنی ہماری سمجھ میں آنا بہت دشوار ہیں اس کو تو وہی اہل باطن خوب سمجھ سکتے ہیں جن کی چشم بصیرت روشن ہے۔ چنانچہ ابریز شریف میں صاحبِ کتاب اپنے شیخ سے نقل فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

رُوحی امتیاز میں سب سے زیادہ قوی ہمارے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے کہ اس روح پاک سے عالم کی کوئی شے پردہ میں نہیں۔ یہ روح پاک عرش اور عالم کی بلندی وپستی پر اور دنیا وآخرت اور جنت ودوزخ سب پر مطلع ہے۔ لان ذلك خلق لاجله اس لئے کہ یہ سب اسی ذات مجمع الکمالات کیلئے ہی تو پیدا کی گئی ہے۔ آپ کی تمیز ان جملہ عالموں کی خارق ہے۔ آپ کو اجرام سمٰوات کی تمیز ہے کہ کہاں سے پیدا کئے گئے، کیوں پیدا کئے گئے اور آخر کیا ہو جائیں گے۔ آپ کو ہر ہر آسمان کے فرشتوں کی تمیز ہے اور اس کی بھی کہ وہ کہاں سے اور کب سے پیدا کئے گئے ہیں اور کہاں جائیں گے اور ان کے اختلافِ مراتب اور منتہائے درجات کی بھی تمیز ہے اور ستر پردوں اور ہر پردے کے فرشتوں کی بھی تمیز ہے۔ عالم علوی، اجرامِ نیرہ، ستاروں، سورج، چاند، لوح وقلم، برزخ اور اس کی ارواح کا بھی ہر طرح امتیاز ہے۔ اسی طرح ساتوں زمینوں اور ہر زمین کی مخلوقات خشکی اور تری جملہ موجودات کا بھی ہر ہر حال معلوم ہے۔ اسی طرح تمام جنتیں اور ان کے درجات اور ان کے رہنے والوں کی گنتی اور مقامات سب ہی تو معلوم ہیں۔ اسی طرح تمام جہانوں کا علم ہے۔

پھر بعض شبہات کا ازالہ کرتے ہوئے اور فرماتے ہیں:۔

یعنی (یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر کر دیا۔ اس لئے کہ) اس علم کو ذاتِ باری تعالیٰ کے علم قدیم ازلی سے جس کی معلومات بے انتہا ہیں کوئی مزاحمت نہیں کہ علم قدیم کو معلومات صرف اسی عالم میں منحصر نہیں اس لئے کہ اسرار ربوبیت اور اوصافِ الوہیت جن کو کوئی انتہا ہی نہیں وہ اس عالم سے ہیں ہی نہیں۔

یہ ہیں قطب الواصلین غوث العارفین حضرت عبدالعزیز دباغ قدس سرہ کے کلمات طیبات جن کی ولایت کا اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے علماء میں سے ہر عالم کو اعتراف ہے اور اولیائے کرام کی گردنیں ان کے سامنے جھکی ہوئی ہیں۔ یہ بزرگ اس حدیث کا تو بیان فرما رہے ہیں جس میں ارشاد فرمایا کہ

علمت ما كان وما سيكون

یعنی جو ہو چکا، جو ہونے والا ہے، سب ہی کا مجھے علم دیا گیا ہے۔

﴾ب﴿

میرا مقصود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق کچھ زیادہ بیان کرنا نہیں۔ صاحبِ روح البیان نے آیہ کریمہ انا ارسلنٰك الخ کی تفسیر کے ضمن میں کچھ اس پر روشنی ڈالی تھی۔ اسی سلسلے میں دو ایک شواہد میں نے بھی بیان کر دیئے۔ اصل مقصود تو میرا یہ ہے کہ میں یہ بتلاؤں کہ جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری اس لئے ہوئی تھی کہ موجوداتِ عالم ان کی عزت وتوقیر کرے تو پھر ان کی عزت وتوقیر کیا کی گئی؟ لیکن یاد رکھئے کہ جب تک کسی کی عظمت کا علم نہ ہو اس کی عزت وتوقیر نہیں کی جاسکتی تو انسان اور جنات کو تو قوتِ مدرکہ دے کر اس کا امتحان مقصود ہے کہ اس وقت سے ان کی عظمت کا علم حاصل کر کے ان کی عظمت وتوقیر کی جائے تو ان میں سے جن کو اس کا علم حاصل ہو گیا انہوں نے قدر و منزلت آپ کی کی اور باوجود اسکے اگر ان سے کچھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت میں لغزش واقع ہوئی تو ان کے مولیٰ کی طرف سے اس پر تنبیہ فرمادی جاتی کہ دیکھو جس غرض سے ہم نے تم کو اپنا حبیب عطا کیا ہے اس کی پوری رعایت رکھو اور اس پر زجر و توبیخ بھی نازل کی جاتی جس سے سب متنبہ اور ہوشیار ہو جاتے۔

چنانچہ کسی صحابی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روبرو کچھ بلند آواز سے بات کہی تو غیرتِ الٰہی نے جوش کیا اور یہ عتاب نازل ہوا:

یا یھا الذین اٰمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا له بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون (پ۲۶۔ سورۃ الحجرات:۲)

اے ایمان والو! نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرو اور بات کرو تو اس طرح آواز سے بات نہ کرو جس طرح آپس میں بات کرتے ہو کہیں تمہارے اعمال ملیامیٹ نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو قسم کھالی کہ اب میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسی آہستہ بات کروں گا جیسے کوئی چپکے سے راز کی بات کرتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو اس قدر آہستہ بات کرنے لگے کہ دوبارہ پوچھنے کی ضرورت ہوتی تھی کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ ثابت بن قیس کی یہ حالت ہوتی کہ راستہ ہی میں بیٹھ گئے اور زار زار رونے لگے کہ ہائے میرے سب اعمال اکارت گئے۔ اس حالت میں کہیں عاصم بن عدی کا ادھر سے گزر ہوا۔ پوچھا کیوں روتے ہو؟ کہا مجھے یہ خوف گزر رہا ہے کہ یہ آیت میرے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ میری ہی آواز بلند ہے۔ عاصم نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا، ان کو میرے پاس لاؤ۔ جب وہ حاضر ہوئے تو شفقت کے انداز میں فرمایا، کیوں ثابت تمہیں کس چیز نے رُلایا؟ عرض کیا حضور میری آواز بلند ہے، میں ڈر رہا ہوں کہ یہ آیت میرے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ارشاد فرمایا نہیں، کیا تم اس بات سے راضی نہیں کہ عیش و زندگی تمہاری پسندیدہ ہو اور جب قتل کئے جاؤ تو اچھی حالت کے ساتھ جنت میں داخل ہو۔ عرض کیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میں اس سے راضی ہوں۔ اب کبھی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز پر آواز بلند نہ کروں گا۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ صرف اتنی بات پر کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے آواز بلند ہو جائے اس کی یہ سزا ٹھہرائی گئی کہ صحابہ کی تمام عمر کی جانفشانیاں حبط اور اکارت ہو جائیں اور وہ بھی ایسے اعمال میٹ دیئے جائیں جن میں سے کسی ایک عمل کے برابر ہماری ساری عمر کے اعمال نہیں ہو سکتے تو قیاس کیجئے کہ اس سے اونچی بے ادبیوں کی کیا سزا ہوگی۔ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خود تو یہ درخواست تھی نہیں، پھر کیا بات تھی کہ اتنی سی بات پر ایسی سخت وعید؟ معلوم ہوا کہ غیرتِ الٰہی اس کی مقتضی تھی کہ میرے حبیب کی کسر شان کسی قسم سے ہونے نہ پائے اور صحابہ بھی ہمیشہ خائف، ترساں اور لرزاں رہیں کہ کہیں ایسی حرکت صادر نہ ہو جائے جس سے غیرتِ الٰہی جوش میں آجائے، پھر جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے تو کیا ان کی محبوبیت میں فرق آگیا؟ اور غیرتِ کبریائی میں معاذ اللہ کچھ تغیر واقع ہو گیا؟ وہ کون مسلمان ہے جو صفاتِ الٰہیہ میں کسی قسم کے تغیر کی گنجائش روا رکھتا ہو؟ ہماری نظر سے وہ روپوش ہیں' اُن کی نظر سے تو ہم روپوش نہیں۔ پس ہر مسلمان کو چاہئے کہ آیتِ مذکورہ ان تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون کو پیش نظر رکھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ظاہر و باطن میں ویسا ہی مؤدب رہے جیسے صحابہ کا حال رہا۔ یہ نہ خیال کرے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روبرو ادب کی ضرورت تھی' اب نہیں۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادب اب بھی فرض ہے اور آپ کی بے ادبی کفر۔ کہ غیرتِ الٰہی اس بات کو ہرگز گوارہ نہیں کرتی کہ ان کو ان کا نام لے کر بھی پکارا جائے۔ چنانچہ

لا تجعلوا دعآء الرسول بینکم کدعآء بعضکم بعضا ط (پ۱۸۔سورۃ النور:۶۳)

یعنی مسلمانو! رسول کا پکارنا اپنے درمیان ایسا نہ ٹھہرالو جیسے آپس میں تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آیتِ کریمہ کا یہ مطلب ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پکارنا ایسا نہ ٹھہراؤ جیسے تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو اس کا نام لے کر پکارتا ہے ولیکن ان کی توقیر و تعظیم کرو اور یوں پکارو یا رسول اللہ! یا نبی اللہ!

طرفہ یہ کہ خود حق تعالیٰ نے بھی تمام قرآن شریف میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نام کیساتھ کہیں خطاب نہ فرمایا بلکہ جب خطاب کیا تو یا یہا النبی ! یا ایہا الرسول ! یٰس ! یا ایہا المزمل ! یا ایہا المدثر ! کے ساتھ کہ جو یا تو صفاتِ کمالیہ کو متضمن ہیں یا انداز محبوبانہ۔ برخلاف دوسرے انبیاء کے کہ باوجود ان کی جلالتِ شان کے نام ہی کے ساتھ خطاب کیا۔ جیسا کہ قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے پر ظاہر ہے۔

یا آدم است با پدرِ انبیا خطاب

یا ایہا النبی خطاب محمّد است

یہاں سے معلوم ہوا کہ قرآن شریف میں گویا ایک قسم کا التزام نعت نبوی کا کیا گیا ہے اس کو میں کچھ وضاحت کے ساتھ بیان کرتا لیکن چونکہ یہ ایک علمی بحث ہے عوام کو فائدہ نہ دے گی اس لئے اس کیلئے معذور ہوں۔ لیکن اس قدر ضرور عرض کروں گا کہ بجائے عَلَم یعنی بجائے نام کے، خاص اوصاف ہی کے ذکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں ندا مقصود ہے وہاں نعت بھی ایک مقصود اصلی ہے۔

با وصافش رسیدن کے توانند انبیا اورا
کہ تا نعتش نمی گوید نمی خواند خدا اورا

یہاں مجھے صرف یہی جتلانا تھا کہ انسان کو چونکہ قوتِ مدرکہ عطا فرمادی گئی ہے اس لئے ان کا امتحان لیا گیا ہے کہ دیکھیں انسان اس قوت سے کام لے کر کیونکر میرے محبوب کی عظمت کو قلب میں جگہ دیتے ہیں۔

اب رہے مخلوق میں وہ افراد جن کو قوتِ مدرکہ عطا نہیں کی گئی تو ان کے قلوب میں تو بلاواسطہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پہچان اور عظمت و اطاعت پیوست کردی گئی ہے۔ ایسے افراد عالمِ علوی کے ہوں، خواہ عالمِ سفلی کے، سب میں یہ مادہ موجود ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اونٹ نے سجدہ کیا تو صحابہ نے عرض کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جانور بھی آپ کو جانتے ہیں؟ ارشاد فرمایا، سوائے کافر انسان و جنات کے سب مجھے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ عالمِ علوی کے بڑے افراد چاند و سورج شمار کئے جاتے ہیں جن کا یہ حال ہے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کرتے ہیں کہ میرے اسلام لانے کا باعث آپ کی نبوت کی ایک علامت ہوئی اور وہ یہ کہ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ جھولے میں چاند کی طرف جدھر اشارہ کرتے ہیں اسی طرف وہ جھک جاتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس سے باتیں کیا کرتا تھا اس طرح وہ مجھے رونے سے باز رکھتا تھا اور جب وہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا تھا تو میں اس کے گرنے کی آواز سنتا تھا۔

یہ تو تھا آپ کے بچپن کا حال اور جوانی کے زمانے کا حال تو خود قرآن کریم بیان فرماتا ہے کہ

اقتربت الساعة وانشق القمر (پ ۲۷۔ سورۃ القمر: ۱)

یعنی نزدیک ہوئی قیامت اور پھٹ گیا قمر۔

جس کا واقعہ حدیثوں میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ قبل ہجرت کے مکہ معظمہ میں ابوجہل، ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل وغیرہ کفار قریش نے جمع ہو کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر تم سچے ہو تو چاند کے دو ٹکڑے کردو۔ فرمایا اگر میں ایسا کردوں تو تم ایمان لاؤ گے؟ انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لے آئیں گے۔ آپ نے چاند کی طرف اشارہ فرمایا، چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور دونوں ٹکڑے اتنے فرق سے ہو گئے کہ جبل حرا ان دونوں کے درمیان نظر آنے لگا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پکار کر فرمایا کہ او فلانے فلانے دیکھ لو اور گواہ رہو۔ لیکن جن کی قسمت میں جہنم لکھی ہو وہ کیا ایمان لاسکتا تھا۔ کہنے لگے کہ یہ تو سحر ہے۔ ابوجہل نے کہا، اگر یہ سحر ہے تو تم ہی پر ہوگا۔ سارے زمین والوں پر تو نہیں ہوسکتا۔ دوسرے شہر والوں سے پوچھا تو انہوں نے بھی بیان کیا کہ ہم نے بھی چاند کا شق ہونا دیکھا۔ [۱]

---

[۱] چاند کے متعلق جدید انکشافات سے شاید بعض حضرات معجزۂ شق القمر کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہوں مگر نہیں عین ممکن ہے کہ یہ انکشافات اس معجزے کیلئے بعض شواہد مہیا کردیں۔ یہ مہتم بالشان معجزہ ہے جس کا قرآن کریم نے بطورِ خاص ذکر فرمایا ہے۔ عہدِ نبوی کی ہندوستان کی دینی کتب میں بھی اس معجزے کا ذکر ملتا ہے جس کو حضرت مولانا رکن الدین شاہ الوری نے شرح وبسط کے ساتھ اپنی تالیف توضیح العقائد (مطبوعہ دہلی) میں بیان فرمایا۔ (مسعودؔ)

اب آفتاب کی حکم برداری ملاحظہ فرمائیں۔ موضع صہبا میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زانو مبارک پر سر رکھ کر سو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نمازِ عصر نہیں پڑھی تھی جس کی وجہ سے سخت بے چین تھے لیکن یہ بھی ناگوار تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آرام میں خلل آئے، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ جب مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کے چہرے پر پریشانی کے آثار ملاحظہ فرمائے تو دریافت فرمایا کہ تم نے نمازِ عصر پڑھ لی؟ عرض کیا نہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آفتاب کی طرف اشارہ کیا۔ اسماء بیان کرتی ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ آفتاب لوٹ آیا، یہاں تک کہ دھوپ پہاڑوں اور زمین پر پڑی۔

مولانا احمد رضا خان صاحب (علیہ الرحمۃ) نے اسی واقعہ کی طرف اپنے بعض اشعار میں اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں ـ

مولیٰ علی نے واری تری نیند پر نماز
اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے

صدیق بلکہ غار میں جان اس پر دے چکے
اور حفظ جاں تو جاں فروض غرر کی ہے

ہاں تو نے ان کی جان، انہیں پھیر دی نماز
پر وہ تو کر چکے جو کرنی بشر کی ہے

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

ان اشعار میں ایک معجزہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لے کر غارِ ثور میں گئے تو دیکھا کہ جابجا اس میں سوراخ ہیں۔ اس خیال سے کہ کوئی جانور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تکلیف نہ دے، اپنے کپڑے پھاڑ کر سوراخوں کو بند کر دیا۔ ایک سوراخ باقی رہا تو اس میں اپنے پاؤں کا انگوٹھا رکھ دیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اندر بلا لیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کے زانو پر سر اقدس رکھ کر آرام فرمایا۔ اس غار میں ایک سانپ مشتاقِ زیارت رہتا تھا، اس نے اپنا سر صدیق اکبر کے انگوٹھے پر ملا مگر یہ جاں نثار کب اس کی سنتے تھے، اس خیال سے کہ جان جائے لیکن محبوب کے آرام میں خلل نہ آئے، پیر نہ اُٹھایا، مجبوراً اس نے پاؤں میں کاٹ لیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بیدار ہوئے تو یہ واقعہ معلوم کر کے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاؤں پر لعابِ دہن لگا دیا، فوراً سکون آ گیا۔ لیکن ہر سال وہ زہر عود کرتا، آخر اسی سے شہادت پائی۔

عمرو بن العاص کی والدہ بیان کرتی ہیں کہ میں بوقتِ ولادتِ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر تھی تو جب آپ پیدا ہوئے تو میں نے دیکھا کہ سارا گھر نور سے بھر گیا اور ستارے اس قدر قریب ہو گئے تھے اور لٹک آئے تھے کہ میں نے گمان کیا کہ اب یہ زمین پر گر پڑیں گے۔

اب ذرا آسمان سے نیچے کا سماں ملاحظہ کیجئے۔ ایک مرتبہ آپ جمعہ کا خطبہ فرما رہے تھے کہ ایک اعرابی کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! مال ہلاک ہوا جا رہا ہے اور ہماری عیال بھوکوں مر رہی ہے، مینہ طلب فرمائیں۔ آپ نے دونوں ہاتھ اُٹھائے۔ اس وقت ابر کے کسی ٹکڑے کا بھی نشان نہ تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ ابھی آپ ہاتھ رکھنے نہ پائے تھے کہ بادل ہر طرف سے پہاڑوں کی مانند گھر آئے اور آپ ابھی منبر سے اُترنے نہ پائے تھے کہ ریش مبارک سے بارش کے قطرات گرنے لگے۔ سو اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک برابر بارش ہوتی رہی۔ دوسرے جمعہ کو پھر کسی نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! مکان گر رہے ہیں، مال ڈوبا جا رہا ہے۔ آپ نے پھر دونوں دست مبارک اُٹھائے اور فرمایا کہ ہمارے گرد برسے نہ ہم پر۔ اب جدھر آپ نے اشارہ فرمایا اُدھر ہی سے ابر کھل گیا۔ یہاں تک کہ مدینہ پر تو پانی بالکل موقوف ہو گیا اور اطراف میں برستا رہا۔ اطراف سے جو لوگ آتے تھے مینہ کی کثرت بیان کرتے تھے۔ اس معجزے میں پانی اور ہوا دونوں کی اِطاعت ظاہر ہے۔

اب اور نیچے آیئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اطرافِ مکہ کی طرف نکلے۔ سو میں نے دیکھا کہ جو درخت یا پہاڑ سامنے آتا تھا وہ کہتا تھا: السلام عليك يا رسول الله!

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جبلِ اُحد پر تشریف فرما ہوئے اور آپ کے ساتھ ابوبکر و عمر و عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) بھی تھے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جاہ و جلال کی برداشت نہ لا کر پہاڑ تھرانے لگا۔ آپ نے پائے مبارک مارا اور فرمایا، او اُحد! ٹھہر تجھ پر ایک نبی ہے اور ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔ اس معجزے میں جہاں پہاڑ کی اِطاعت پر روشنی پڑتی ہے، وہاں غیب کی خبر پر بھی کہ عثمان و عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے متعلق یہ بھی بتلا دیا کہ یہ دونوں شہید ہونے والے ہیں۔

اب اور نیچے آیئے۔ جب مکہ معظّمہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو سراقہ بن مالک نے آپ کا پیچھا کیا اور سراغ لگاتا ہوا آپ کے قریب پہنچ گیا۔ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ہمیں ایک شخص نے آلیا۔ فرمایا: لا تحزن ان اللّٰہ معنا تم غم نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ (التوبہ:۴۰) پھر آپ نے زمین کو حکم دیا کہ یا ارض خذیہ او زمین اس کو پکڑ لے۔

اس کا گھوڑا پیٹ تک زمین میں دھنس گیا۔ چلّایا کہ مجھے نجات دیجئے۔ میں تمہارے طلب کرنے والوں کو بھی پھیر دوں گا اور اس پر اُس نے قسم کھائی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا کی اور اس نے نجات پائی۔ اِس معجزے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کے مقابل آپ دیکھیں تو دیکھیں گے کہ اس معجزے میں رحمت کا پورا منظر نظر آئے گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قارون کمال زاری وعاجزی کرتا رہا لیکن انہوں نے کچھ رحم نہ کیا۔ اسی جہت سے وحی نازل ہوئی کہ موسیٰ (علیہ السلام)! تم سے قارون نے کس قدر زاری اور اور عاجزی کی مگر تم اس کے دبانے پر ہی جمے رہے۔ میری جناب میں اگر ایک مرتبہ بھی عرض کرتا تو میں اس کو نجات دے دیتا۔ اب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس معجزے پر نظر ڈالیں کہ سراقہ نے اِدھر عاجزی کی اور اُدھر رحمت جوش میں آئی اور اُس کو اس عذاب سے نجات دے دی بلکہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ تین مرتبہ ایسا ہی واقعہ ہوا کہ جب اس نے زاری کی' نجات دے دی اور جب اس نے کچھ شرارت کرنی چاہی' دھنسا دیا۔ کیا آپ کو کوئی ایسا کریم نظر آتا ہے کہ بار بار خطائیں کرنے پر چھوڑتا رہا۔

اب آیئے دیکھئے پانی پر کیسی حکومت تھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو بکثرت دریا بہائے ہیں۔ کھاری کنوؤں کو میٹھا بھی کیا ہے۔ یہاں یہ بتلادوں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حکومت کا کچھ حصہ اپنے غلاموں کو بھی عطا فرمایا ہے یا نہیں؟ مصر جب فتح ہوا تو لوگوں نے وہاں کے حاکم حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا، رُودِ نیل کی یہ عادت ہے کہ جب تک ہر مہینہ ہم ایک کنواری (لڑکی) کا بھینٹ نہیں چڑھاتے، یہ جاری نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا کہ اب اسلام میں یہ بات نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ جب ایسا نہ کیا گیا تو وہ تین ماہ تک جاری نہ ہوا۔ لوگ جب تنگ ہوئے اور شہر چھوڑنے پر آمادہ ہوئے تو عمرو بن عاص نے خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ حضرت نے ان کو ایک رُقعہ لکھ کر بھیجا کہ اسے رُودِ نیل میں ڈال دو اس میں تحریر فرمایا تھا...... عمر کی طرف سے اور ُودِ نیل! اگر تو اپنے آپ جاری ہوتا ہے تو جاری نہ ہو اور اگر واحد قہار کے حکم سے جاری ہوتا ہے تو ہماری اُس ہی سے شکایت ہے کہ وہ تجھے جاری کردے۔

چنانچہ جس رات عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ رقعہ ڈالا، اُسی رات وہ جاری ہوگیا۔

اب نظر کیجئے شجر اور پتھروں کی جانب۔ ایک جہاد کے سفر میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قضائے حاجت کی ضرورت پیش آئی تو حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ دیکھو کہیں درخت یا پتھر ہیں۔ انہوں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا جا کر ان سے کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہیں حکم کرتے ہیں کہ اِکٹھے ہو جاؤ۔ سو وہ کہتے ہیں کہ جب میں نے جا کر کہا تو خدا کی قسم! یک دم درخت قریب ہو کر ایک جگہ مل گئے اور پتھر بھی مل کر مثلِ دیوار ہو گئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے پیچھے بیٹھ کر قضائے حاجت کی۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا اُن سے کہہ دو کہ اب یہ حکم ہے کہ علیحدہ ہو جاؤ۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! میرا یہ کہنا تھا کہ وہ علیحدہ ہو کر اپنی اپنی جگہ چلے گئے۔

اب آگ کی طرف توجہ کیجئے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر ایک مرتبہ مہمان آئے۔ خادمہ جب دستر خوان لائی تو وہ نہایت میلا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خادمہ سے فرمایا کہ اس کو تنور میں ڈال دو۔ چنانچہ اس نے تنور میں ڈال دیا۔ مہمان کو بڑی حیرت ہوئی اور اس انتظار میں رہے کہ اب اس کو لَو اُٹھتی ہے اور دُھواں نکلے گا مگر وہاں نہ لَو اُٹھی اور نہ دھواں نکلا۔ کچھ دیر کے بعد تنور میں سے دستر خوان نہایت سپید میل کچیل سے پاک نکلا۔ مہمان حیران رہ گئے۔ دریافت کیا کہ اے انس! یہ کیا معاملہ ہے آگ نے اس کو جلایا نہیں؟ فرمایا کہ یہ کیسے جل سکتا تھا، اس دستر خوان سے تو میرے آقا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دستِ مبارک اور دَہن شریف پونچھے تھے تو آگ کی کیا مجال کہ اس پر اثر کر سکے!

حضرت مولانا رُوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس معجزے کو مثنوی شریف میں لکھ کر فرماتے ہیں ؎

اے دل ترسندہ از نار و عذاب — باچناں دست و لبے کن اقتراب
چوں جمادی را چنیں تشریف داد — جانِ عاشق را چہا خواہد کشاد

دل بہ محبوبِ حجازی بستہ ایم — زیں جہت با یک دگر پیوستہ ایم
رشتہ ما یک تو لائیش بس است — چشمِ مارا کیف صہبایش بس است
مستیٔ او تا بخونِ ما دوید — کہنہ را آتش زدو نو آفرید
عشقِ او سرمایہ جمعیت است — ہم چو خوں اندر عروقِ ملت است

(اقبال: اسرارِ بیخودی، ص۱۹۰)

نوٹ...... یہ تقریر آخر میں کچھ نامکمل معلوم ہوتی ہے۔ مسودے میں جو کچھ تحریر فرمایا تھا، نقل کر دیا گیا۔ ممکن ہے کہ کسی دوسرے مسودے میں اس تقریر کو مکمل فرمایا ہو۔ (مسعودؔ)